accountabilitylab PAKISTAN

پاکستان میں جمہوریت

اور

انتخابی حکمرانی کا استحکام

فہرست

خُلاصہ ---------- 03

انتخابی عمل اور اداروں پر عوام کا اعتماد ---------- 04

انتخابی عمل میں غیر سیاسی قوتوں کے اثر ورسوخ کا عوامی تاثر ---------- 06

انتخابی عمل میں نوجوانوں، خواتین اور پسماندہ طبقات کی شمولیت ---------- 06

- خواتین کی شمولیت ---------- 06
- معذور افراد کی انتخابی عمل میں شمولیت ---------- 07
- خواجہ سرا افراد کی انتخابی عمل میں شرکت ---------- 08
- مذہبی اقلیتوں کی انتخابی عمل میں شرکت. ---------- 08
- نوجوانوں کی انتخابی عمل میں شرکت ---------- 09

آئندہ عام انتخابات میں انتخابی اداروں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کے لیے کلیدی چیلنجز ---------- 09

- انتخابات کی ساکھ ---------- 09
- انتخابات کی سیکورٹی ---------- 10
- آن لائن میڈیا کے لیے الیکشن سے متعلق ضابطہ کار ---------- 10

اگلا لائحہ عمل / تجاویز ---------- 11

- انتخابات سے متعلق قانونی فریم ورک کو مضبوط بنائیں ---------- 11
- ووٹر رجسٹریشن کی رفتار کو برقرار رکھیں ---------- 11
- سیاسی پارٹی اصلاحات ---------- 11
- انتخابات کے بعد کے آڈٹ اور جائزے ---------- 11
- عوامی احتساب اور شفافیت ---------- 11

اکاؤنٹیبلٹی لیب کے بارے میں ---------- 12

خُلاصہ

اس پالیسی بریف میں پاکستان کے انتخابی منظر نامے کے اندر موجود پیچیدگیوں کا ایک جامع تجزیہ پیش کر کے اہم چیلنجز کی وضاحت کی گئی ہے اور اصلاحات کے لیے اسٹریٹیجک طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ سب سے بڑا تشویش ناک امر جس کی وضاحت کی گئی ہے وہ انتخابی عمل میں عوامی اعتماد کا ٹوٹنا ہے جو بار بار ہونے والی بے ضابطگیوں، دھاندلی کے الزامات اور طویل تنازعات سے پیدا ہوتا ہے۔ وقتاً فوقتاً قانون سازی کے ذریعے ہونے والی ترامیم اور قانونی ڈھانچہ کو بہتر بنانے کی کوششوں کے باوجود، جمہوریت کے استحکام کو مسلسل رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ دستاویز میں پسماندہ طبقات جن میں خواجہ سرا افراد، مذہبی اقلیتیں اور اور نوجوان شامل ہیں کی انتخابی عمل میں شرکت کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس سمت میں قابل تعریف پیش رفت ہوئی ہے تاہم ان طبقات کی کم نمائندگی اور حق رائے دہی سے محروم ہونا ابھی بھی بڑے چیلنجز ہیں۔

ایک اور بڑا خدشہ جس پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے وہ سیاسی اور انتخابی تشدد بشمول دہشت گردی کا بڑھتا ہوا رجان ہے۔ دہشت گردی اور انتخابی و سیاسی تشدد کے واقعات نہ صرف شہریوں کی سلامتی کو خطرے میں ڈالتے ہیں بلکہ ان کی سیاسی مصروفیات کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ مقامی سطح پر تشدد کے واقعات اور الیکشن کمیشن کی طرف سے آدھے سے زیادہ پولنگ سٹیشنوں (55%) کو 'حساس' قرار دینا ایک محفوظ اور پر امن انتخابی ماحول کو یقینی بنانے میں بڑے چیلنج کے طور پر سامنے آیا ہے۔

پالیسی بریف میں مقامی سطح پر درپیش چیلنجز کے ساتھ ساتھ جمہوری عمل پر آن لائن میڈیا کے وسیع اثر ورسوخ کا بھی باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ سوشل میڈیا کا استعمال غلط معلومات، جعلی خبروں اور غیر منظم سیاسی اشتہارات سے متعلق پیچیدگیوں کا باعث بن رہا ہے۔ آن لائن انتخابی مہم کی نگرانی کے لیے قانونی فریم ورک میں ایک قابل ذکر خامی انتخابات کے منصفانہ ہونے کو یقینی بنانے کی کوششوں کو مزید پیچیدہ بناتی ہے۔

پالیسی بریف میں ان چیلنجز سے نمٹنے کے لیے سفارشات کا ایک مختصر مجموعہ پیش کیا گیا ہے۔ ان سفارشات میں انتخابات سے متعلق قانونی فریم ورک کو مضبوط کرنا، ووٹر رجسٹریشن کی کوششوں کی رفتار کو برقرار رکھنا، سیاسی جماعتوں کے اندر جمہوریت کے کلچر کو پروان چڑھانا اور احتساب اور شفافیت کو یقینی بنانے کے لیے بعد از الیکشن ادارہ جاتی آڈٹ کروانا شامل ہیں۔ دستاویز میں ان سفارشات کے مؤثر نفاذ کے لیے اسٹیک ہولڈرز، سول سوسائٹی، سیاسی اداروں اور عوام کے درمیان باہمی اشتراک عمل کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

مُختصراً یہ کہ پالیسی بریف میں پاکستان میں جمہوریت کو مضبوط کرنے اور انتخابی طرز حکمرانی کی بہتری کے لیے ایک جامع اور اسٹریٹجک نقطہ نظر کو سراہا گیا ہے۔ عوامی اعتماد، پسماندہ طبقات کی شرکت، تشدد کے واقعات اور آن لائن میڈیا کے اثر ورسوخ سے متعلق مسائل کو سنجیدگی سے حل کرنے سے قوم زیادہ معتبر، جامع اور شفاف انتخابی عمل کی طرف ایک راستہ طے کر سکتی ہے جس کے نتیجے میں جمہوری اصولوں کو تقویت ملے گی اور پاکستان میں دیرپا استحکام اور ترقی کو فروغ ملے گا۔

انتخابی عمل اور اداروں پر عوام کا اعتماد

انتخابات کسی بھی جمہوریت کا بنیادی ستون ہوتے ہیں۔ متواتر انتخابات شہریوں کی انتخابی نمائندگی کے استحکام کے ایک اہم اشاریے کے طور پر کام کرتے ہیں۔ انتخابی عمل شہریوں کو اپنی حکومتیں منتخب کرنے اور انہیں جوابدہ ٹھہرانے کا ایک پہلو ہے۔ انتخابات ریاست میں شہری آزادیوں کو یقینی بنانے کے لیے ایک مضبوط پراسس کے طور پر کام کرتے ہیں اور ملک میں جمہوری عمل کے کلچر کو پروان چڑھاتے ہیں۔ 1947 میں آزادی کے بعد سے ملک میں انتخابات کا انعقاد باقاعدگی سے نہیں ہوا تاہم، پاکستان کا موجودہ انتخابی ڈھانچہ اور اداروں کا تعلق 1973 سے ہے جب ملک نے ایک نئے آئین کے ذریعے حکومت کے وفاقی نظام پر اتفاق کیا۔ بہر حال، اس آئین کے تحت ہونے والے تقریباً تمام انتخابات دھاندلی، جعلسازی اور انتخابی عمل میں غلط طریقوں کے استعمال کے شکوک وشبہات کے تناظر میں سوالیہ نشان رہے ہیں۔

1973 کے آئین کے نفاذ کے بعد 2008 میں ملک میں دوسری فوجی حکومت ختم ہوئی اور پاکستان میں باقاعدگی سے متواتر انتخابات کا سلسلہ شروع ہوا جس سے شہریوں میں امید کی فضا پیدا ہوئی کہ جمہوریت استحکام کی راہ پر گامزن ہو چکی ہے۔ 2010 میں آئین میں ایک بڑی ترمیم کے ذریعے الیکشن کمیشن آف پاکستان کو زیادہ اختیارات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی، اس طرح، عبوری نگراں انتظامات کی وضاحت اور دو منتخب حکومتوں کے درمیان) ایک حکومت کی آئینی مدت ختم ہونے اور نئی حکومت کے منتخب ہونے تک (جمہوریت کے تسلسل کو یقینی بنایا گیا۔ 2017 میں اسی طرح کے پارلیمانی اتفاق رائے نے ملک کو مزید بہتر اور متحد قانونی ڈھانچہ فراہم کیا تاہم 2013 اور 2018 کے عام انتخابات کے بعد انتخابی تنازعات کی وجہ سے استحکام کی امیدیں ماند پڑ گئیں۔

اپوزیشن جماعتوں کے انتخابات میں دھاندلی کے الزامات کی وجہ سے ملک میں سیاسی عدم استحکام عروج پر رہا اور دونوں ادوار میں ان انتخابات کے نتیجے میں بننے والی حکومتوں کو ہٹانے کے لیے سیاسی اشتعال انگیزی اور مختلف طریقوں کا استعمال دیکھنے میں آیا۔ سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے انتخابی عمل کی پر عوام کا اعتماد شکوک وشبہات کی نظر ہو رہا ہے۔ ان ادوار کے دوران کیے گئے سروے اور مشاہدات عوامی اعتماد میں نمایاں کمی کی عکاسی کرتے ہیں، شہری انتخابات کی شفافیت پر شکوک کا اظہار کرتے ہیں۔ 2018 کے انتخابات کے دوران رزلٹ ٹرانسمیشن سسٹم) آرٹی ایس (کی ناکامی کو ایک بڑا دھچکا سمجھا گیا جس سے عوامی بداعتمادی میں اضافہ ہوا۔

انتخابی اداروں پر عدم اعتماد کا موجودہ احساس گزشتہ ڈھائی سال کے دوران ہونے والے واقعات سے کافی حد تک جڑا ہوا ہے۔ انتخابی ادارے اور عمل 2021 میں اُس وقت عوامی گفتگو کا مرکز بن گئے جب اُس وقت کی پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کی حکومت نے عجلت کی گئی ایک قانون سازی کے ذریعے پاکستانی تارکین وطن کو ان کے رہائش پذیر ممالک میں ووٹنگ کا حق اور الیکٹرانک ووٹنگ مشینوں (ای وی ایم) کے استعمال کے قوانین متعارف کروائے۔ الیکشن کمیشن، جس نے تکنیکی بنیادوں پر اس عمل کی مخالفت کی، سمیت اس قانون سازی کو زیادہ تر حلقوں کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے اُس وقت کی حکومت اور الیکشن کمیشن کے درمیان اختلافات کا بیج بویا گیا۔ برسر اقتدار پارٹی کی طرف سے الیکشن کمیشن پر عدم اعتماد کا یہ مظاہرہ پاکستان میں پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس تنازعے کی وجہ سے الیکشن کمیشن، جسے ہائی کورٹ کے اختیارات بھی حاصل ہیں، کی طرف سے وفاقی وزراء کو نوٹسز جاری ہوئے۔

اپوزیشن جماعتوں کی جانب سے تحریک عدم اعتماد کے ذریعے وزیر اعظم عمران خان کی حکومت کی متنازعہ بے دخلی نے خان کی پارٹی کی طرف سے ایک طویل احتجاجی تحریک کو جنم دیا کیونکہ عمران خان کا دعوی تھا کہ ان کی حکومت کی تبدیلی "غیر ملکی ایما" پر کی گئی۔ عدم اعتماد کے بعد وجود میں آنے والی نئی حکومت نے قانون میں ای وی ایم سے متعلق ترامیم کو ختم کرنے میں زیادہ وقت نہیں لیا۔ پی ٹی آئی کی زیر قیادت احتجاجی تحریک میں قومی اسمبلی سے اجتماعی استعفوں جیسی احتجاجی تحریکیں شامل تھیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ہنگامہ خیز دور میں بھی پی ٹی آئی کی خالی کردہ قومی اسمبلی کی نشستوں پر االیکشن کمیشن کے ذریعے کرائے گئے انتخابات کا نتیجہ پی ٹی آئی کے حق میں ہی نکلا۔ پارٹی کا خیال تھا کہ ضمنی انتخابات میں اس کی شاندار جیت اس کی برطرفی کے بعد کے بیانیے کی مقبولیت کا واضح اشارہ ہے۔

ملک میں عام انتخابات جلد سے جلد کروانے کے لیے دباو کے حربے کے طور پر جنوری 2023 میں پی ٹی آئی کی نے پنجاب اور خیبر پختونخوا کی اپنی حکومتیں تحلیل کر دیں۔ تاہم، دیگر صوبوں میں حکمران جماعتوں اور وفاقی حکومت نے اگست 2023 میں اپنی میعاد ختم ہونے تک اپنی قانون سازی کی مدت پوری کرنے کا انتخاب کیا۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان نے آئینی، آپریشنل اور تکنیکی وجوہات کا حوالہ دیتے ہوئے آئینی تقاضے کے باوجود پنجاب اور خیبر پختونخوا میں 90 روز کے اندر انتخابات نہ کروانے کا فیصلہ کیا۔ اس غیر معمولی تاخیر نے ووٹروں کو تشویش میں مبتلا کر دیا کہ آیا الیکشن کمیشن انہیں اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے کا موقع فراہم کرنے کا عزم رکھتا بھی ہے یا نہیں؟۔ 9 مئی 2023 کو سابق وزیر اعظم عمران خان کی گرفتاری کے بعد پر تشدد مظاہرے پھوٹ پڑے جس کے بعد قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ملک بھر میں پی ٹی آئی کے رہنماؤں اور کارکنوں کو حراست میں لے لیا۔

ملک کی باقی صوبائی اسمبلیوں نے اگست 2023 میں اپنی مدت پوری کی اور وقت سے پہلے تحلیل ہونے کے باوجود پنجاب اور خیبر پختونخوا اسمبلیوں کے انتخابات 90 روز کی طے شدہ مدت میں منعقد نہیں ہوئے اور اس سے ملک کے تمام مقننہ میں انتخابات کی اکتوبر 2023 میں ایک مرتبہ منعقد ہونے کی راہ ہموار ہوئی۔ تاہم، اگست میں سبکدوش ہونے والی وفاقی حکومت نے مشترکہ مفادات کی کونسل) سی سی آئی (سے ساتویں مردم شماری کے سرکاری نتائج کی منظوری حاصل کرلی جس سے انتخابی ایکٹ 2017 کے سیکشن 17(2) کے تحت حلقہ بندیوں کی نئی حد بندی ناگزیر تھی۔ صورت حال کے پیش نظر الیکشن کمیشن کو دو آئینی دفعات کا سامنا کرنا پڑا، اول 90 روز کے اندر انتخابات کا انعقاد اور دوئم نئی حلقہ بندی جس کی وجہ سے کم از کم چار ماہ کی تاخیر ہوتی، الیکشن کمیشن نے مؤخر الذکر کا انتخاب کرتے ہوئے 17 اگست 2023 کو نئی حلقہ بندیوں کا شیڈول جاری کیا۔ حلقہ بندیوں کی ابتدائی فہرست ستمبر کے آخر میں شائع کی گئی جس میں عوام سے اعتراضات 27 اکتوبر 2023 تک طلب کیے گئے اور حتمی فہرست 30 نومبر 2023 کو جاری کی گئی اور اس کے بعد عام انتخابات کا شیڈول جاری کیا گیا۔

اگرچہ سبکدوش ہونے والی حکومت نے انتخابات کے نظم ونسق کے قانونی ڈھانچے کو مزید بہتر بنانے کے لیے ضروری ترامیم کرنے کو یقینی بنایا تاہم پہلے پنجاب اور خیبر پختونخوا اور بعد میں عام انتخابات کے انعقاد میں تاخیر اور پی ٹی آئی کے خلاف کریک ڈاؤن پر الیکشن کمیشن کی بے بسی نے انتخابات کروانے کے ذمہ دار ادارے کی غیر جانبداری کے بارے میں تشویش میں اضافہ کیا ہے حتیٰ کہ پی ٹی آئی کے کٹر مخالفین جیسے کہ پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کی طرف سے بھی انتخابی مہم کے دوران مساوی مواقع کی عدم موجودگی کے خدشات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ فوج سیاسی اور انتخابی امور میں مداخلت کر رہی ہے اگرچہ یہ ایک عام سی بات لگتی ہے تاہم ملک میں اس بیانیے کو بھرپور پذیرائی مل رہی ہے۔ یہ بیانیہ اس نظریہ پر منحصر ہے کہ فوجی اسٹیبلشمنٹ پہلے کسی پارٹی کو چنتی ہے اور پھر اس کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے جوڑ توڑ کرتی ہے۔ امیدواروں کے انتخاب میں " الیکٹ ایبلز" کو ترجیح کے رجحان نے اس یقین کو جنم دیا ہے کہ پولنگ شروع ہونے سے پہلے ہی انتخابی نتائج "طے" کر لیے گئے ہیں۔ یہ عصبانہ مداخلت کے الزامات کے ساتھ ساتھ تمام سٹیک ہولڈرز کو مساوی مواقع نہ دینا عوامی شکوک وشبہات کو ہوا دیتا ہے۔

اپنے اثرورسوخ اور براہ راست حکمرانی کی تاریخ کے باوجود انتخابات کو متاثر کرنے والا واحد عنصر فوج نہیں ہے۔ 2009 کے بعد وکلاء کی تحریک میں عدلیہ نے بھی انتخابات کو متاثر کرنے کا بوجھ فوج کے ساتھ مل کر بانٹا۔ مثال کے طور پر، 2013 کے عام انتخابات کو "آر اوز کے انتخابات" کے طور یاد کیا جاتا ہے، آر اوز عدلیہ سے وابستہ ان افسران کو کہا جاتا ہے جو انتخابات کے انتظام کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

موجودہ بحران کی وجہ جون 2022 میں سپریم کورٹ کی طرف سے آئین میں انحراف کی دفعات کی ایک بہت زیادہ آزادانہ تشریح کو بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس تشریح کی وجہ سے ایک طویل عرصے تک صوبہ پنجاب نیا وزیر اعلیٰ منتخب نہ کر سکا۔ جب بالآخر الیکشن ہوا تو سیاسی تقسیم کی سطح بلند ہو چکی تھی۔ مزید یہ کہ عدلیہ پچھلی ایک دہائی سے مسلسل الیکشن کمیشن کے فیصلوں میں مداخلت کرتی آ رہی ہے۔

انتخابات کے نتائج پہلے سے طے ہونے کا تصور پاکستانی تناظر میں نیا نہیں ہے تاہم انتخابی اداروں اور عمل میں بنیادی تبدیلیوں سے ملک کو قابل اعتماد انتخابی انتظامیہ فراہم کرنے کے لیے پارلیمنٹ کی سنجیدہ کوششوں کو اس وقت دھچکا لگا جب اس مسئلے نے دوبارہ سر اٹھایا۔ ملک کے اہم ستونوں کے مابین طاقت کی مساوات کی رسہ کشی، جمہوری حکومتوں کی ہائبرڈ نوعیت، اور طاقتور عدلیہ سمیت سب نے بڑھتے ہوئے عدم اعتماد میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ تاہم، الیکشن کمیشن کے پاس اب بھی یہ ثابت کرنے کا موقع ہے کہ وہ فروری 2024 میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروا کے لوگوں کی مرضی کا حقیقی محافظ بنے۔ اس نے بارہا یہ ثابت کیا ہے کہ اس میں تکنیکی طور پر، منصفانہ انتخابات کرانے کی صلاحیت ہے تاہم، لیول پلیئنگ فیلڈ کے مسائل بتاتے ہیں کہ اگلے عام انتخابات بھی 2018 کے عام انتخابات جتنے یا اس سے زیادہ متنازعہ رہیں گے۔

پاکستان بھارت سے سیکھ سکتا ہے جہاں انتخابات کروانے کے ذمہ دار اعلیٰ ترین انتخابی ادارے نے پیچیدہ نظام کے باوجود خود کو منوایا اور اب ایسے مقام تک پہنچ چکا ہے جہاں تمام اسٹیک ہولڈرز انتخابی نتائج کو بلا تامل قبول کرتے ہیں۔

انتخابی عمل میں غیر سیاسی قوتوں کے اثر ورسوخ کا عوامی تاثر:

اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو فوج نے 2008 اور 2011 کے درمیان نسبتاً پسپائی اختیار کر لی تھی جب پیپلز پارٹی نے وفاق پر حکومت کی تھی اور 1973 کے آئین میں درج تقسیم کی اصل اسکیم کو کامیابی کے ساتھ بحال کیا تھا۔ واضح طور پر اس بات کا اشارہ دیا گیا کہ ملک دو جماعتی پارلیمانی جمہوریت کی طرف بڑھ رہا ہے، جو کچھ لوگوں کے خیال میں جمہوری پختگی کا مظہر ہے ایسے وقت میں ہی پاکستان تحریک انصاف، جو کہ ایک نسبتاً چھوٹی سیاسی جماعت تھی 2011 میں اچانک ہی متحرک ہو گئی۔ دونوں بڑی پارٹیاں، یعنی نواز شریف کی پاکستان مسلم لیگ نواز (پی ایم ایل این) اور پیپلز پارٹی کا خیال تھا کہ پی ٹی آئی کو فوج ایک تیسری قوت کے طور پر متعارف کروا رہی ہے۔ اگرچہ پی ایم ایل این نے 2013 کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تاہم پی ٹی آئی بھی ایک مضبوط پارلیمانی پارٹی کے طور پر ابھری۔ 2018 تک یہ پارٹی اتنی بڑی ہو چکی تھی کہ اس نے انتخابات جیت لیے۔ دوسری جماعتوں نے الزام لگایا کہ پی ٹی آئی کا اقتدار میں آنا سیاسی انجینئرنگ کے باعث ممکن ہوا۔

2009 اور 2013 کے درمیان یہ تاثر عام تھا کہ پی ایم ایل این کو عدلیہ کی واضح حمایت حاصل ہے تاہم جب وزیر اعظم نواز شریف کو سپریم کورٹ نے نااہل قرار دے کر جیل بھجوا دیا تو پی ٹی آئی کو واضح طور پر عدلیہ کے قریب سمجھا جانے لگا۔ عدلیہ کا متنازعہ کردار آج بھی جاری ہے جسے دو واضح دھڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جہاں ہر ایک دھڑا بظاہر کسی ایک سیاسی جماعت کی حمایت کر رہا ہے۔ بڑے کاروباری افراد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انتخابات کے دوران کسی ایک پارٹی کا انتخاب کر کے اس پر پیسہ لگاتے ہیں کیونکہ انتخابی اخراجات کا نظام منظم نہیں۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بڑے کاروباری گروپس اپنی پسند کی سیاسی جماعت کا انتخاب کرتے ہیں، اس کی کامیابی کے لیے پیسہ لگاتے ہیں اور پھر جب ان کی پسندیدہ پارٹی اقتدار میں آتی ہے تو وہ اپنا پیسہ واپس وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پاکستان کے انتخابی عمل میں کم از کم عام لوگوں کے لیے غیر ملکی مداخلت کا چرچا بھی اہم عنصر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن کسی غیر ملکی حکومت کے لیے پاکستانی انتخابات پر اثر انداز ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے، خاص طور پر مغربی حکومتوں کے لیے، جن کا پاکستانی اسٹیبلشمنٹ میں کوئی خاص اثر ورسوخ نہیں ہے۔ تاہم یہ سمجھا جاتا ہے کہ عرب دنیا (سب سے اہم سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات) اور امریکی حکومتوں کا اثر ورسوخ کافی زیادہ ہے۔ انتخابی نتائج پر غیر سیاسی قوتوں کے اثر ورسوخ کو روکنے کے لیے، پاکستان دنیا بھر سے کامیابی کی بہت سی مثالوں کی پیروی کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، بھارت نے انتخابی مہم کے ضوابط کو سخت کر کے ان مہموں پر کاروباری برادری کے اثر ورسوخ کو کامیابی سے کم کیا ہے۔ ترکی کی فوجی مداخلتوں کی ایک تاریخ رہی ہے، لیکن لگاتار موثر اقدامات کے ذریعے، اس نے انتخابی عمل میں فوج کی مداخلتوں کو کم کر دیا ہے اور معتبر طریقے سے تسلسل سے منعقد ہونے والے انتخابات کے ساتھ جمہوریت کو استحکام کی طرف گامزن کر دیا ہے۔

انتخابی عمل میں نوجوانوں، خواتین اور پسماندہ طبقات کی شمولیت:

برابری، غیر امتیازی سلوک کی آئینی طور پر دی گئی ضمانت اور لوگوں کے انتخابی اور جمہوری حقوق کے تحفظ کے لیے ریاست کی جانب سے اٹھائے گئے متعدد مثبت اقدامات کے باوجود، خواتین، خواجہ سراؤں، معذوروں اور مذہبی اقلیتوں کو ووٹروں، امیدواروں اور منتخب نمائندوں کے طور پر سیاسی اور انتخابی عمل میں حصہ لینے کے لیے چیلنجوں کا سامنا رہا ہے۔

خواتین کی شمولیت:

گزشتہ چند دہائیوں کے دوران پاکستان میں خواتین کی انتخابی عمل میں شرکت حوصلہ افزا بھی رہی ہے اور اسے مسائل کا سامنا بھی رہا ہے۔ گلوبل جینڈر گیپ رپورٹ 2023 کے مطابق پاکستان خواتین کو سیاسی طور پر بااختیار بنانے میں 146 ممالک میں 92 ویں نمبر پر ہے۔ اگرچہ دوران پاکستان نے 1988 اور 1993 میں دو بار ایک خاتون کو سربراہ مملکت کے طور پر منتخب کیا تاہم گزشتہ حکومت میں صرف ایک دہائی اور ارکان پارلیمنٹ کا پانچواں حصہ خواتین تھیں۔

خواتین کی سیاست میں شرکت کو بڑھانے کے لیے ایک مثبت اقدام کے طور پر 1973 کے آئین میں ابتدائی طور پر خواتین کے لیے کی تقریباً پانچ فیصد نشستیں مخصوص کی گئی تھیں جس میں دس سال کی سن سیٹ شق کے ساتھ یہ توقع کی گئی کہ اس ابتدائی مرحلے کے بعد، خواتین ایک مساوی بنیاد پر مرد ہم منصبوں کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گی۔ تاہم، اس مدت کے ختم ہونے پر خواتین کی نمائندگی میں زبردست کمی واقع ہوئی، جس کے نتیجے میں 2002 میں مخصوص نشستوں کی بحالی اور خواتین کے کوٹہ کو بڑھا کر 17 فیصد کر دیا گیا۔ اس بار اسے خواتین کو مخصوص نشستوں پر منتخب کرنے کا عمل غیر معینہ مدت تک جاری رکھنے کا عندیہ دیا گیا

ان اقدامات کے باوجود، رجسٹرڈ خواتین ووٹرز کی تعداد اب بھی بہت کم ہے، ان کے ووٹ دینے اور بطور امیدوار انتخاب لڑنے کے حق کا احترام نہیں کیا جاتا اور سیاسی جماعتوں میں ان کی آواز یا کردار بہت کم ہے، خواتین کے پاس قیادت بہت کم ہے۔ ابھی بھی ووٹر لسٹوں میں رجسٹرڈ خواتین ووٹرز کی تعداد مردوں سے 10 ملین کم ہے۔ 2017 کی آبادی کے اعداد و شمار کے مطابق 18 سال اور اس سے زیادہ عمر کے 1000 مردوں کے مقابلے میں 982 خواتین ہیں تاہم تازہ ترین انتخابی فہرستوں میں 1000 مردوں کے مقابلے میں 850 خواتین ووٹرز رجسٹرڈ ہیں یہ رجحان خواتین کی کم رجسٹریشن کو نمایاں کرتا ہے۔ مزید برآں، رجسٹرڈ خواتین کو اپنے ووٹ کا حق استعمال کرنے میں مردوں کے مقابلے میں زیادہ رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ مردوں کے 56% کے مقابلے میں خواتین کے تقریباً 47% کے کم ووٹر ٹرن آؤٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخی طور پر جنرل نشستوں پر خواتین کی نمائندگی انتہائی کم رہی ہے۔ اگرچہ 2002 کے عام انتخابات کے بعد خواتین امیدواروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے تاہم خواتین کی انتخابی عمل میں شرکت کی رفتار سست ہے۔ گزشتہ عام انتخابات میں قومی اسمبلی کے کل امیدواروں کا صرف 4.5 فیصد خواتین تھیں جن میں سے آٹھ خواتین نے براہ راست انتخابی مقابلے میں فتح کے ذریعے نشستیں حاصل کی تھیں۔ مخصوص نشستوں پر خواتین بالواسطہ طور پر متناسب نظام کے ذریعے منتخب ہوتی ہیں، جو انہیں مخصوص انتخابی حلقوں سے زیادہ سیاسی جماعتوں سے جوڑتی ہیں۔ خواتین امیدوار اکثر سیاسی طور پر بااثر خاندانوں سے آتی ہیں اور اب بھی ایسے جغرافیائی علاقے ہیں جہاں امیدواروں کی کمی کی وجہ سے خواتین کے لیے مخصوص نشستیں بلا مقابلہ رہ جاتی ہیں۔ بعض صورتوں میں، خواتین اپنے خاندان کے مردوں کے لیے پراکسی کے طور پر کام کرتی ہیں اور پارٹیوں کی طرف سے ان کی اپنی سیاسی قابلیت کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تاہم، حالیہ برسوں میں تمام جماعتوں کی سیاست میں خواتین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ ایک مثبت تبدیلی آئی ہے۔ پھر بھی، پاکستان میں سیاسی نمائندگی میں حقیقی صنفی مساوات کے حصول کے لیے کافی فاصلہ طے کرنا باقی ہے۔

معذور افراد کی انتخابی عمل میں شمولیت:

: معذور افراد کی سیاسی اور انتخابی شرکت کا سب سے اہم مسئلہ یہ رہا ہے کہ ان کو کبھی پوری طرح گنا ہی نہیں گیا یعنی مردم شماری میں معذور افراد کی درست تعداد ظاہر نہیں کی جاتی۔ چونکہ لوگ معذوری سے جڑے سماجی مسائل کی وجہ سے اپنے یا خاندان کے افراد کی معذوری کے بارے میں بتانے سے گریز کرتے ہیں اس لیے معذور افراد کی آبادی کی درست گنتی میں کئی ساختی مسائل موجود ہیں۔ عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کا اندازہ ہے کہ پاکستان میں معذوری کی شرح 13.4 فیصد ہے پھر بھی، 2017 کی مردم شماری میں ملک بھر میں صرف 9 لاکھ معذوروں کی گنتی کی گئی جو کہ ملک کی کل آبادی کا نصف (0.4) فیصد سے بھی کم ہے۔ اس اعداد و شمار کی درستگی خود مردم شماری کی رپورٹ سے متصادم ہے، جس میں شمار کرنے والوں کی ناکافی تربیت کی وجہ سے معذور افراد کی کم گنتی کا اعتراف کیا گیا ہے۔ تمام شمار شدہ معذور افراد میں سے نصف سے زیادہ 18 سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہیں، جو انہیں ووٹر رجسٹریشن کے اہل بناتے ہیں۔ بدقسمتی سے، الیکشن کمیشن آف پاکستان سے معذور ووٹرز کے آخری دستیاب اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً تین میں سے ایک اہل معذور فرد ووٹر غیر رجسٹرڈ ہے۔ شہری اور ووٹر کے طور پر معذور افراد کی کم رجسٹریشن کو جزوی طور پر قومی شناختی کارڈ کے حصول میں انتظامی اور ادارہ جاتی رکاوٹوں سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ سماجی فوائد اور معذور افراد کی انتخابی عمل میں شرکت قومی شناختی کارڈز پر وہیل چیئر کے نشان کے ساتھ منسلک ہیں تاہم، ان کارڈز کو حاصل کرنے کا پیچیدہ عمل، جس میں نظر آنے والی معذوریوں کے لیے بھی اضافی طبّی دستاویزات کی ضرورت ہوتی ہے، ایک اہم رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

پاکستان 2011 سے معذور افراد کے حقوق کے کنونشن سی آر پی ڈی کا رکن ہے۔ اس کی تعمیل میں، وفاقی اور صوبائی قانون ساز اداروں نے حال ہی میں معذور افراد کے شہری اور سیاسی حقوق کے تحفظ اور فروغ کے لیے قانون سازی کے اقدامات کیے ہیں۔ 2017 کے الیکشن ایکٹ میں معذور شہریوں کی انتخابی عمل میں شرکت کو بڑھانے کے اقدامات بشمول خصوصی ووٹر رجسٹریشن اور تعلیمی مہم اور ڈاک کے ذریعے ووٹنگ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ حال ہی میں، صوبہ پنجاب نے مقامی حکومتوں میں معذور افراد کے لیے مخصوص نشستیں رکھی ہیں۔ پوسٹل ووٹنگ سے متعلق طریقہ کار کی پیچیدگیاں اس اختیار کو ذاتی ووٹنگ سے زیادہ بوجھل بناتی ہیں۔ اسی وجہ سے، کئی قومی اسمبلی کے حلقوں میں گزشتہ عام انتخابات (2018 میں منعقد ہونے والے) کے دوران معذور افراد کی جانب سے پوسٹل بیلٹ کے لیے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ مزید برآں فافن کی مشاہداتی رپورٹوں کے مطابق تقریباً دو تہائی پولنگ اسٹیشنز وہیل چیئر والے ووٹرز کے لیے ناقابل رسائی ہیں۔ اگرچہ بیلٹ پیپرز پر نشان لگانے سے قاصر افراد دیگر افراد سے مدد لے سکتے ہیں تاہم بصارت سے محروم ووٹرز کے پاس بریل بیلٹ پیپرز کی کمی ہے۔

معذور افراد کے لیے قانون ساز اداروں میں نشستیں مختص کرنے پر بحث جاری ہے، بڑی سیاسی جماعتوں کے اراکین پارلیمنٹ 2008 اس سلسلے میں آئینی ترامیم کی تجویز دے رہے ہیں تاہم، ان تجاویز پر ابھی تک پارلیمنٹ میں ووٹنگ نہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ معذور افراد کے عام نشستوں پر مقابلہ کرنے میں کوئی پابندی نہیں ہے لیکن ان کی شرکت کم ہے۔ 2018 کے عام انتخابات میں، صرف تین معذور امیدواروں نے مقابلہ کیا جن میں سے کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ یہ معذور افراد کے حقوق کے کنونشن کے ساتھ ملک کی بین الاقوامی وابستگی کے باوجود پاکستان میں معذور افراد کے لیے سیاسی منظر نامے میں بڑی رکاوٹوں کو نمایاں کرتا ہے۔ چونکہ ان چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے کوششیں جاری ہیں امید ہے کہ مستقبل کے انتخابات قطع نظر ان کی جسمانی صلاحیتوں کے تمام شہریوں کے لیے ایک زیادہ جامع اور قابل رسائی انتخابی عمل کی عکاسی کریں گے۔

خواجہ سرا افراد کی انتخابی عمل میں شرکت:

پچھلی دہائی میں، ریاستی حکام، پارلیمنٹ اور انتخابی حکام نے پاکستان میں خواجہ سراؤں کی سیاسی اور انتخابی عمل میں شرکت کے حوالے سے متعدد اقدامات کیے۔ سٹیزن رجسٹری نے 2009 میں سپریم کورٹ کے ایک تاریخی فیصلے کے نتیجے میں خواجہ سراوں کو تیسری جنس کے طور پر تسلیم کیا۔ الیکشن فریم ورک میں حالیہ تبدیلیوں میں خواجہ سرا افراد کو بطور ووٹر رجسٹر کرنے کے اقدامات کرنے اور اس بات کو یقینی بنانے پر زور دیا گیا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے ووٹ کا حق استعمال کریں۔ 2018 میں، پارلیمنٹ نے ٹرانس جینڈر افراد (حقوق کے تحفظ) ایکٹ کو نافذ کیا جس میں خواجہ سراؤں کے شہری اور سیاسی حقوق کو مزید واضح کیا گیا۔ اگرچہ اس قانون کے بعض حصوں کو حال ہی میں اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا گیا اور انہیں معطل کیا گیا ہے تاہم باقی قانون تاحال موثر ہے۔ یہ نہ صرف خواجہ سراؤں کے انتخابات لڑنے اور بطور ووٹر حصہ لینے کے حق کی توثیق کرتا ہے بلکہ انتخابی حکام کو ان حقوق پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کی ہدایت بھی کرتا ہے۔ پنجاب اور سندھ صوبوں کے لوکل گورنمنٹ فریم ورک میں حالیہ تبدیلیوں نے مقامی کونسلوں میں خواجہ سراؤں کے لیے نشستیں مختص کر دی ہیں۔ تاریخی طور پر پہلی بار، 2022-23 کے بلدیاتی انتخابات کے دوران صوبہ سندھ کی مقامی کونسلوں کے لیے خواجہ سراؤں کے نمائندے منتخب ہوئے ہیں۔

دوسرے پسماندہ گروہوں کی طرح، خواجہ سرا افراد کی گنتی کم ہے، 2017 کی مردم شماری کے مطابق پورے ملک میں 18 سال یا اس سے زیادہ عمر کے صرف 20,525 خواجہ سرا افراد کی گنتی کی گئی۔ انتخابی فہرستیں خواجہ سراؤں کو ایک الگ جنس کے طور پر تسلیم نہیں کرتیں اور بائنری جنسوں یعنی مرد اور خواتین کی بنیاد پر تفریق کرتی ہیں۔ رجسٹرڈ خواجہ سرا ووٹرز کی صحیح تعداد گننا مشکل ہے تاہم، یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ 18 سال یا اس سے زائد عمر کے خواجہ سرا افراد میں سے صرف 71 فیصد کے پاس قومی شناختی کارڈ موجود ہے جس کا مطلب ہے کہ باقی 29 فیصد قومی شناختی کارڈ نہ رکھنے کی وجہ سے حق رائے دہی سے محروم ہو سکتے ہیں۔ ماضی کے برعکس ایک خوش آئند پیش رفت یہ ہے کہ حالیہ برسوں میں خواجہ سراؤں کا انتخابی امیدواروں کے طور پر مقابلہ کرنا زیادہ معمول کی خبر بن چکا ہے تاہم فی الحال خواجہ سراؤں کی انتخابی عمل میں شمولیت ایک علامتی عمل ہے۔ گزشتہ عام انتخابات میں پانچ خواجہ سراؤں نے براہ راست مقابلہ کیا اور ہار گئے اور انہیں سوشل میڈیا پر بدنامی اور سنگین ہراسانی کا سامنا کرنا پڑا۔

مذہبی اقلیتوں کی انتخابی عمل میں شرکت:

پاکستان میں کل آبادی کا تقریباً 3.5 فیصد اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے وابستہ شہری بستے ہیں۔ ہندو سب سے بڑی اقلیت پر مشتمل ہیں، جن کی تعداد 2.1 فیصد ہے، جبکہ عیسائی کل آبادی کا 1.2 فیصد ہیں۔ دیگر مذہبی گروہوں میں احمدی برادری، سکھ، زرتشتی، بدھ مت، بہائی اور غیر مذہبی افراد شامل ہیں۔ نمائندگی کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے، پاکستان نے 1975 میں قانون ساز اداروں میں مذہبی اقلیتوں کے لیے نشستیں مختص کیں۔ ابتدائی طور پر، یہ نشستیں علیحدہ انتخابی نظام کی بنیاد پر براہ راست انتخابات کے ذریعے پُر کی جاتی تھیں تاہم، 2002 سے، ان نشستوں کے لیے انتخابات پارٹی کی فہرست کی بنیاد پر متناسب نمائندگی کے نظام کے ذریعے کرائے جا رہے ہیں۔

1973 کے آئین کے نفاذ کے بعد سے قومی اسمبلی میں اقلیتی نشستوں کی تعداد چھ سے بڑھ کر 10 اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں نو سے بڑھ کر 24 ہو گئی ہے۔ ان اقدامات کے باوجود، اقلیتی نمائندوں کے لیے مخصوص جغرافیائی حلقوں کی عدم موجودگی سے ایک اہم چیلنج پیدا ہوتا ہے۔ اس سے منتخب نمائندوں اور ان طبقات کے درمیان رابطہ منقطع ہونے کے خدشات پیدا ہوتے ہیں۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ یہ طریقہ ٹوکن ازم کو فروغ دیتا ہے اقلیتوں کو محدود نمائندگی فراہم کرتا ہے اور بامعنی حقیقی نمائندگی کو محدود کرتا ہے۔

اگرچہ مذہبی اقلیتوں کو صدر (ریاست کے سربراہ) اور وزیر اعظم (وفاقی حکومت کے سربراہ) کے عہدوں کے لیے انتخاب لڑنے میں آئینی پابندیوں کا سامنا ہے تاہم انہیں دیگر عہدوں کے لیے انتخاب لڑنے سے نہیں روکا جاتا۔ تاہم براہ راست انتخابات میں اقلیتوں کی شرکت کافی کم ہے مثال کے طور پر سبکدوش ہونے والی قومی اسمبلی میں صوبہ سندھ سے صرف ایک ہندو امیدوار کامیابی کے ساتھ منتخب ہوا۔

اگرچہ 2002 میں علیحدہ ووٹرز کی فہرستیں ختم کر دی گئی تھیں تاہم احمدی کمیونٹی کو انتخابی فہرستوں میں الگ سے درج کیا جاتا ہے۔ مسلم عقیدے کا ایک فرقہ ہونے پر اصرار کے باوجود 1974 کی آئینی ترمیم کے ذریعے غیر مسلم نامزد کیے گئے احمدی خود کو سیاسی طور پر پسماندہ سمجھتے ہیں۔ ان کا حق رائے دہی سے محروم ہونا پاکستانی سیاست میں ایک واضح لیکن غیر بیان شدہ مسئلہ بنی ہوئی ہے کیونکہ کچھ انسانی حقوق کے بعض اداروں کے علاوہ کسی نے بھی احمدیوں کے سماجی اور سیاسی بائیکاٹ کی وکالت کرنے والے کٹر مسلم گروپوں کے خوف کی وجہ سے اس موضوع کو اٹھانے کی ہمت نہیں کی۔

نوجوانوں کی انتخابی عمل میں شرکت:

پاکستانی آبادی کا تقریباً دو تہائی حصہ 30 سال سے کم عمر کا ہے جس کی وجہ سے یہ ملک نوجوانوں کی سب سے زیادہ آبادی والی اقوام کی فہرست میں شامل ہے۔ اگرچہ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ نوجوان ووٹرز انتخابی سیاست سے دور رہتے ہیں تاہم اس تصور کی تصدیق کرنے کے لیے کوئی معروضی اور قابل اعتماد اعداد و شمار موجود نہیں بلکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ سیاسی طور پر متحرک ہونے کے جدید ذرائع نے نوجوانوں کو خاص طور پر سیاست اور انتخابات میں حصہ لینے کی طرف مائل کیا ہے۔ شہری مراکز میں اعلیٰ تعلیم اور انٹرنیٹ کی رسائی نے نوجوانوں کو سیاسی سرگرمی کے لیے ضروری پلیٹ فارم مہیا کیے ہیں۔

حالیہ تاریخ میں وکلاء کی تحریک (2007-2009)، پاکستان تحریک انصاف کی حکومت مخالف تحریک (2014-2015)، اور مذہبی سیاسی جماعتوں کی سیاسی، مذہبی اور سماجی وجوہات سے چلنے والی تحریکوں میں نوجوانوں کی شرکت نمایاں رہی۔ نوجوان ووٹروں کو راغب کرنے کے لیے پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ نواز کے رہنماؤں کی حالیہ سیاسی پوزیشن نے بھی سیاست میں نوجوانوں کی شرکت کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔

تاہم، بڑھتی ہوئی سیاسی تقسیم کی وجہ سے نوجوانوں میں سیاسی تشدد کو بھڑکانے کا عمل معمول بننے کا بھی خدشہ ہے۔ جہاں نوجوانوں کی بہتر اور بامعنی سیاسی شرکت کے لیے اقدامات ضروری ہیں وہیں انھیں سیاسی اقدار کی پرورش اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے مصروف اور حساس بھی کیا جانا چاہیے تاکہ ان کی سیاسی عمل میں شرکت پرامن اور نتیجہ خیز ہو۔

آئندہ عام انتخابات میں انتخابی اداروں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کے لیے کلیدی چیلنجز

انتخابات کی ساکھ:

2024 کے عام انتخابات میں الیکشن کمیشن کے لیے سب سے بڑا چیلنج اس کے غیر منصفانہ انتخابات ہونے کے تاثر کو دور کرنا ہے۔ 9 مئی 2023 کے بعد پاکستان تحریک انصاف کے خلاف ریاستی کارروائیوں کے تناظر میں عالمی اور ملکی مشاہدہ کاروں نے انتخابی عمل کے منصفانہ ہونے پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ سابق وزیراعظم عمران خان کے خلاف تحریک عدم اعتماد کے بعد سے واقعات کا جو سلسلہ ایک سیاسی جماعت کے خلاف جاری ہے اس سے پارٹی کو انتخابی دوڑ سے دور رکھنے کے حوالے سے معاملات کے قبل از وقت انتخابات طے پانے کے تاثرات کو تقویت ملتی ہے۔ انتخابات کے انعقاد کے نظام الاوقات پر سیاسی اور قانونی تنازعات بھی ناانصافی کے تاثر کو تقویت دیتے ہیں۔

ایگزیکٹیو اور الیکشن حکام کی جانب سے جنوری 2023 میں تحلیل کی گئی پنجاب اور خیبر پختونخوا اسمبلیوں کے انتخابات حیلے بہانوں سے ملتوی کرنے کے بعد مردم شماری کی آخری لمحات کی منظوری کے لیے ضروری حلقہ بندیوں کی وجہ سے عام انتخابات کے انعقاد میں تاخیر کو بالعموم پی ٹی آئی کی انتخابی کامیابی کے امکانات کو کم کرنے کے منصوبے کے حصے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ پارٹی کی زیادہ تر پہلے اور دوسرے درجے کی قیادت جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے جب کہ ان لوگوں پر بھی پابندیاں عائد کی جارہی ہیں جو نظر بند نہیں ہیں۔

سیاسی جماعتوں کے لیے برابری کے میدان کی عدم موجودگی پر تشویش کے علاوہ، غیر حل شدہ انتخابی مسائل جیسے کہ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے لیے ووٹ کا حق اور انتہائی تقسیم شدہ ووٹرز میں انتخابی نظام کی بڑھتی ہوئی عدم نمائندگی بھی انتخابی نتائج کی ساکھ پر کافی اثر انداز ہوتی ہے۔ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے لیے ووٹنگ کے طریقہ کار پر تنازعہ کے باوجود تقریباً تمام سیاسی جماعتوں نے انتخابات میں تارکین وطن ووٹروں کی شرکت کو یقینی بنانے کی حمایت کی ہے۔ اس کے باوجود، انتخابی فریم ورک میں متعارف کرائی گئی ترامیم کے حالیہ سیٹ میں اس مسئلے پر توجہ نہیں دی گئی۔ یہ صورتحال ان شکوک و شبہات کو تقویت دیتی ہے جن کا اظہار بااثر تارکین وطن اپنی حق رائے دہی سے محرومی کے حوالے سے کرتے ہیں۔ مزید برآں، فرسٹ پاسٹ دی پوسٹ کا نظام کسی بھی پارلیمانی نمائندگی میں ووٹوں کی اکثریت کی نمائندگی نہ کرنے کا سبب بنتا ہے، جو نہ صرف ووٹرز کو مایوس کرتا ہے بلکہ انتخابات کے بعد سیاسی عدم استحکام کو ہوا دیتا ہے۔ آئندہ انتخابات کی ساکھ کو درپیش ان چیلنجوں کی واضح نوعیت کے باوجود، الیکشن کمیشن نے ماضی قریب میں ان خدشات کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ، الیکشن کمیشن ردعمل کے موڈ میں رہا ہے اور ایک کے بعد ایک تنازعہ پیدا ہونے کے بعد ان کے جواب دینے میں مصروف نظر آیا۔

مثال کے طور پر، انتخابات کی تاریخ کے بارے میں قیاس آرائیوں اور غیر یقینی صورتحال سے بچا جا سکتا تھا اگر کمیشن عام انتخابات کے لیے ایکشن پلان کو عوامی طور پر شیئر کر دیتا کہ اسے قانونی طور پر قانون ساز اسمبلی کی مدت کے خاتمے کے بعد متوقع عام انتخابات سے چار ماہ قبل تیاری کرنا ضروری ہے۔ اگر الیکشن کمیشن عوامی طور پر واضح کر دیتا کہ ممکنہ انتخابات کی تاریخ حلقہ بندیوں کے بعد فراہم کی جائیں گی تو تنازعہ سے بچا جا سکتا تھا مگر الیکشن کمیشن نے سپریم کورٹ کے دباؤ تک تاریخ دینے سے گریز کیا۔

انتخابات کی سیکیورٹی:

پاکستان میں انتخابات کے سال کے آغاز کے بعد سے عسکریت پسندی سمیت سیاسی اور انتخابی تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ جنوری 2023 سے، سیکیورٹی فورسز، سیاست سے وابستہ افراد اور عوامی مقامات کو نشانہ بنانے والے دہشت گردی کے 140 سے زیادہ بڑے واقعات کی رپورٹس موصول ہوئی ہیں، اس طرح شہریوں میں اپنی سیکیورٹی کے حوالے سے خوف پیدا ہوا ہے جو ان کی سیاسی اور انتخابی شرکت کو متاثر کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ، حالیہ مہینوں میں سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کے درمیان مقامی سطح پر تشدد کے متعدد واقعات بھی منظر عام پر آئے ہیں۔ معاشرے میں بڑھتی ہوئی سیاسی تقسیم کے پیش نظر، مقامی سطح پر ہونے والے تشدد کے واقعات جو گزشتہ دو عام انتخابات کے دوران کافی حد تک کم ہوئے تھے، آئندہ انتخابات میں بھی دوبارہ سر اٹھا سکتے ہیں۔ سیکیورٹی فورسز کی انسداد دہشت گردی کی کارروائیوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے پولنگ اسٹیشنز کی سیکیورٹی کے انتظامات کرنا بھی الیکشن کمیشن کے لیے ایک مشکل کام بن سکتا ہے، جس نے کل پولنگ اسٹیشنوں میں سے نصف سے زیادہ کو 'حساس' قرار دیا ہے، یعنی اضافی حفاظتی اقدامات کی ضرورت ہے۔

آن لائن میڈیا کے لیے الیکشن سے متعلق ضابطہ کار:

گزشتہ چند سالوں کے دوران، سوشل میڈیا نے خبروں، گفتگو اور انتخابات سے متعلق معلومات کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کرکے انتخابات اور سیاسی مہمات کی نوعیت کو بدل دیا ہے۔ اگرچہ سوشل میڈیا نے تمام انتخابی اسٹیک ہولڈرز کو رائے عامہ تک رسائی اور ان پر اثر انداز ہونے کا موقع فراہم کیا ہے، لیکن ورچوئل اسپیسز پر نشر کیے جانے والے مواد کی صداقت کے بارے میں شدید تحفظات پائے جاتے ہیں۔ بہت سے دوسرے ممالک کی طرح، پاکستان بھی انتخابات اور ووٹروں کے انتخاب کے لیے ڈیجیٹل میڈیا کے وسیع استعمال کے نتائج سے نمٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جعلی خبریں، نفرت انگیز کلمات، غلط معلومات، ادھورے حقائق، اور غلط بیانی تیزی سے ایک مستقل انتخابی خصوصیت بنتی جا رہی ہے۔

شہریوں کو انتخابات کے بارے میں درست اور سچی معلومات تک رسائی کا حق ہے۔ معلومات، اظہار رائے اور رائے کے بنیادی حق کو پاکستانی آئین کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی معاہدوں جیسا کہ شہری اور سیاسی حقوق کے لیے بین الاقوامی میثاق سے بھی تحفظ حاصل ہے۔ اس کے باوجود، وسیع پیمانے پر ڈیجیٹل ذرائع سے پر غلط معلومات جمہوریت کے بنیادی اصولوں کو کمزور کرتی ہے۔ اس طرح کی غلط معلومات ووٹرز کی الجھن کو بڑھا سکتی ہیں، ووٹر ٹرن آؤٹ پر اثر انداز ہو سکتی ہیں، سیاسی شرکت کو دبا سکتی ہیں اور جمہوری اداروں پر اعتماد کو ختم کر سکتی ہیں۔

غلط/گمراہ کن معلومات کے علاوہ، ڈیجیٹل میڈیا پر آن لائن سیاسی اشتہارات نے انتخابی مہموں کے لیے نئی اور غیر واضح جہتوں کو متعارف کرایا ہے۔ سوشل میڈیا ووٹرز کے مختلف گروہوں کی ترجیحات کو نشانہ بناتے ہوئے بامعاوضہ سیاسی اشتہارات کی جگہ کا تعین کرتا ہے۔ ایسے اقدامات انتخابی عمل کی شفافیت اور غیر جانبداری سے متعلق چیلنجوں کو جنم دے سکتے ہیں۔

جب سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل ٹیک کمپنیوں کی نگرانی کے لیے قانون سازی اور ضوابط کی بات آتی ہے تو دنیا بھر کے ممالک نے اس طرح کے ضوابط کے دائرہ کار کی وضاحت کرنے کے لیے جدوجہد کی ہے۔ فی الحال، پاکستان کے انتخابی فریم ورک میں سوشل میڈیا مواد کی نگرانی اور اس پر آنے والے اخراجات کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ مزید برآں، الیکشن کمیشن کی طرف سے قومی میڈیا کے لیے جاری کردہ ضابطہ اخلاق صرف پاکستانی سوشل میڈیا پر اثر انداز ہونے والوں کا احاطہ کرتا ہے۔ آن لائن سیاسی مہم، تشہیر، فنڈ ریزنگ، اور تھرڈ پارٹی فنانسنگ کو ریگولیٹ کرنے کے لیے ایک مضبوط قانونی فریم ورک کی عدم موجودگی منصفانہ انتخابات کو یقینی بنانے کے لیے انتخابی حکام کے کام کو مزید پیچیدہ بناتی ہے۔ سوشل میڈیا کے قواعد و ضوابط کے دائرہ کار اور طریقوں کے بارے میں پارلیمانی اتفاق رائے کی عدم موجودگی میں، آنے والے انتخابات ملک کے انتخابی تاریخ میں پیش آنے والی زیادہ پیچیدگیوں اور تنازعات کے لحاظ سے مشکل ہو سکتے ہیں۔

اگلالائحہ عمل / تجاویز

- پاکستان میں جمہوریت اور انتخابی طرز حکمرانی کو مضبوط بنانے کے لیے ایک جامع نظریہ/نقطہ نظر کی ضرورت ہے۔اس میں معاشرے کے طبقات، خاص طور پر سیاسی جماعتوں کے درمیان جمہوری اصولوں کی سماجی قبولیت کو بہتر بنانے کے اقدامات شامل ہونے چاہئیں۔
- پاکستان اور اس کے جمہوری اداروں کو ملکی استحکام اور ترقی کے لیے جمہوریت اور انتخابی طرز حکمرانی کو مضبوط بنانے کی اہمیت کو دہرانے کی ضرورت ہے۔
- پاکستان کو انتخابی عمل اور اداروں کو انتظامیہ اور عدلیہ کے اثر ورسوخ سے الگ کرنے کی ضرورت ہے۔
- مسائل کو حل کرنے اور تجویز کردہ حل کو نافذ کرنے تمام اسٹیک ہولڈرز کو ایک ساتھ کام کرنے کی اشد ضرورت ہے

حالیہ برسوں میں کئی قدم آگے بڑھنے کے باوجود، انتخابی طرز حکمرانی میں اب بھی ایسے انتہابات موجود ہیں جو ایگزیکٹو اور مقننہ کی تشکیل میں عوامی امنگوں کی حقیقی نمائندگی پر منفی اثر ڈالتے ہیں۔انتخابات کے معیار کو بہتر بنانے کے لیے تمام اسٹیک ہولڈرز کو شامل کرتے ہوئے ایک جامع اور باہمی تعاون کی ضرورت ہے۔اس سلسلے میں انتخابی فریم ورک اور عمل کو بہتر بنانے کے لیے ذیل میں کچھ سفارشات دی گئی ہیں۔

انتخابات سے متعلق قانونی فریم ورک کو مضبوط بنائیں:

انتخابات کے انعقاد کے لیے طے کردہ قانونی فریم ورک نے عوامی نمائندگی ایکٹ 1976 سے لے کر الیکشن ایکٹ 2017 تک بہت طویل فاصلہ طے کیا ہے۔ پھر بھی، الیکشن کمیشن کے اختیارات کے استعمال اور قانون میں انتخابات کے انعقاد کے حوالے سے شعبے باقی ہیں جنہیں کی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ سول سوسائٹی کو ابہام کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کے لیے الیکشن ایکٹ اور اس کے ماتحت قانون سازی کا مکمل جائزہ لینا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ قانونی ڈھانچہ شفاف، جامع اور بین الاقوامی جمہوری معیارات کا عکاس ہو۔

ووٹر رجسٹریشن کی رفتار کو برقرار رکھیں:

2018 سے ووٹر رجسٹریشن کی حوصلہ افزا رفتار کے باوجود، الیکشن کمیشن کو تمام اہل پاکستانیوں، خاص طور پر پسماندہ گروہوں سے تعلق رکھنے والے جن میں خواتین، معذور افراد، خواجہ سرا، معاشی طور پر غریب وغیرہ شامل ہیں، کو انتخابی فہرستوں میں درج کرنے کے کام کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔الیکشن کمیشن کو ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے رجسٹریشن کے نظام کی درستگی کو یقینی بنانے اور شہریوں کا ووٹر لسٹوں میں اندراج کرنے اور انہیں ان کے ووٹنگ کے حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر ووٹرز کی تعلیم اور رجسٹریشن مہم کے لیے ایک مربوط نظام مرتب کرنے کی ضرورت ہے

سیاسی پارٹی اصلاحات:

سیاسی جماعتوں کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ داخلی جمہوری طریقہ کار اپنائیں، امیدواروں کے انتخاب کے شفاف عمل کو یقینی بنائیں، اور پارٹی ڈھانچے میں شمولیت کو فروغ دیں۔

انتخابات کے بعد کے آڈٹ اور جائزے:

انتخابات کے بعد کے آڈٹ اور جائزے کرنے کے لیے ایک خود مختار ادارہ قائم کریں۔انتخابی بے ضابطگیوں اور شکایات کی بروقت اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کو یقینی بنایا جائے۔

عوامی احتساب اور شفافیت:

انتخابی انتظام میں شفافیت اور جوابدہی کے کلچر کو فروغ دیں۔ انتخابی عہدیداروں، سیاسی امیدواروں اور جماعتوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرانے کے لیے اقدامات کو نافذ کریں۔

اکاؤنٹیبلٹی لیب کے بارے میں:

اکاؤنٹیبلٹی لیب پاکستان ایک بین الاقوامی نیٹ ورک کا حصہ ہے اور پاکستان میں شفافیت، احتساب اور گڈ گورننس کو فروغ دینے کے لیے پر عزم ایک تھنک ٹینک ہے جس نے پاکستان میں انتخابی گورننس کے بارے میں مثبت مباحثے کو فروغ دیا ہے۔ اختراعی طریقوں کے ذریعے مثبت تبدیلی کو آگے بڑھانے پر توجہ کے ساتھ، لیب ملک میں جمہوری عمل کو بڑھانے کے لیے اقدامات میں سب سے آگے ہے۔

اکاؤنٹیبلٹی لیب باریک بینی سے کی گئی تحقیق کے ذریعے نے پاکستان میں انتخابی اصلاحات پر گفتگو کے لیے ایک بہترین پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ اس پالیسی بریف میں اکاؤنٹیبلٹی لیب کی طرف سے مستحکم جمہوریت کے قیام کے لیے سماجی مساوات اور ادارہ جاتی اصلاحات پر زور دیا گیا ہے۔ اکاؤنٹیبلٹی لیب کے کام کے بارے میں مزید جاننے کے www.accountabilitylab.org کا وزٹ کریں